eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ڈاکٹر ارم صبا

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور بہاول نگر کیمپس

ڈاکٹر صنم شاکر

صدر شعبہ اردو واقبالیات و مطالعہ پاکستان، اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور رحیم یار خان کیمپس

OPEN ACCESS

Dr Irum Saba **Email:** irumsaba1122@gmail.com
Assistant Professor Urdu, Islamiya University of Bahawalpur, Bahawalnagar Campus.
Dr Sanam Shakir **Email:** sanam.shakir@iub.edu.pk
Chairperson, Departments of Urdu, Iqbaliat & Pakistan Studies, Islamiya University of Bahawalpur, Rahim yar Khan Campus

معاصر اردو نظم عصری آشوب کی داستان

CONTEMPORARY URDU POEM & CHAOS

DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i02.113

ABSTRACT

Problems and challenges of the modern era are the main sources to affect the human mind and soul. A poet is a sensitive person in society, he realizes, analyzes, and judges the issues of their era and these topics became a pivotal part of their poetry. Literature has a deep relation with society. The major expression found in Urdu poems is anger, grief, and distress over the devastation and destruction in Pakistan and all over the world, especially in the Islamic world. There is always a fear of 3rd world war which fills the mind with terror and a sense of insecurity that prevails around the globe. Realities have been vigorously launched in Urdu poetry. The contribution of modern-era poets is tremendous in this regard that how they portrayed the present state of mind of modern man in their poems.

KEYWORDS

Contemporary, Chaos, Modernism, 20th Century, 21st Century, Destruction, Depression, Delusion, Text, Heterogeneous, Prose Poem, Stanza

Received:20-Oct-22 **Accepted**:20-Dec-22 **Online**: 30-Dec-22

بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں جدیدیت اپنے نقطہ عروج پر تھی۔ تاریخی تغیر کے اصول کے تحت اسے اپنی اثر انگیزی کو قائم رکھنے کے لیے یا تو توسیع و تقلیب کے مراحل سے گزرنا تھا یا پھر زوال کا سامنا کرنا تھا۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب جدید اردو نظم اپنی توسیع و تقلیب کے عمل سے گزر کر جدیدیت سے مابعد جدید عہد میں داخل ہوئی۔ معاصر اردو نظم موضوعات و اسلوب کی بنا پر اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ معاصر نظم کے شعرا کا یہ اختصاص ہے کہ ان کی پہچان یا شناخت کا مسئلہ کسی تحریک یا مخصوص ادبی رجحان کی بجائے متن سے

جڑا ہوا ہے۔ ان شعرا نے نظم میں بیان کے نئے پیرائے تلاش کیے۔ اس دور میں شعرا کی جو نسل ادبی منظر نامے پر نظر آئی وہ اپنے پیش روؤں سے مختلف حالات سے دوچار تھی۔ ستر کی دہائی کے اختتام تک دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ افغانستان کی جنگ میں روس کو شکست ہوئی اور اسے مارکسی فلسفے کی شکست تصور کیا گیا۔ ترقی پسند تحریک پہلے ہی اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ اب حالات یہ تھے کہ ایک طرف تو افغانستان اور عراق کو اندوہناک جنگ میں دھکیل دیا گیا اور دوسری طرف ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے "صارف کلچر" کو فروغ دیا گیا۔ اب انسان کی حیثیت تجارتی شے کی سی ہو گئی تھی۔ ملکی سطح پر بھی حالات کچھ خوش گوار نہ تھے۔ ملک تیسرے مارشل لاء کا شکار تھا۔ ان حالات میں جو نظم لکھی جا رہی تھی ڈاکٹر حامدی کاشمیری اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ظاہر ہے کہ نئی نظمیں مختلف النوع (Hetrogeneous) تجربات مثلاً محرومی آرزو، جنسیت، انسانی روابط، بدنی لذت، فطرت اور ثقافت سے تجدید رشتگی، خود نگری اور تلاش و جستجو کے رنگوں سے روشن ہیں۔۔۔۔۔ ان نظموں سے مترشح ہوتا ہے کہ آج کا شاعر ذات میں سمٹ کر رہ جانے کی بجائے کھلی آنکھوں سے باہر کی دنیا کا نظارہ کر رہا ہے۔ وہ شہری زندگی کی کثافتیں ہوں یا فطرت کی دلآویزیاں، نسلی و گروہی فسادات ہوں کہ فیشن شوز، کراچی و کشمیر کی خون ریزیاں ہوں کہ سیاسی ہتھکنڈے، انسانی رشتے ہوں کہ تشدد کاریاں، ہر واقع کو دیکھتا ہے اور واردات سے انگیخت ہونے والے تخلیقی عمل کے اظہار کا خواہش مند ہے۔ یہ رویہ دروں بینی کا ابطال نہیں کرتا بلکہ یہ دروں بینی کو جہاں بینی سے مربوط کرتا ہے۔"(1)

فکری اعتبار سے یہ شعراء اپنے عصری ماحول سے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ معاصر نظم کے نظم نگاروں نے اپنے تخیل کو آزاد چھوڑ کر عصری آگہی کے ساتھ ساتھ جدید مشینی اور برقی عہد کے انسان کو نظموں کا موضوع بنایا۔ ان شعرا کی تخلیقات کا بنیادی موضوع انسانی روح کا داخلی بحران ہے۔ روح کا یہ بحران انفارمیشن ٹیکنالوجی کی عطا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں جدید ٹیکنالوجی نے انسان کو اپنا اسیر بنا لیا ہے۔ انسان گرد و پیش سے مایوس ہو کر اپنی ذات میں پناہ لینا چاہتا ہے لیکن اسے محرومی اور داخلی کرب کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اس تمام صورتِ حال کا مشاہدہ شعرا نے دل کی آنکھ سے کیا۔ یہی وجہ ہے معاصر شعرا کے ہاں بے چارگی اور تنہائی کا احساس مصنوعی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ اور یہ احساسِ تنہائی بڑھتا ہی جاتا ہے۔ انسان بین الاقوامی سطح پر بے بسی، خوف اور انتشار کا شکار ہے۔ اس صورتِ حال میں نظم نگاروں نے خارجی حالات کو داخلی جذبوں سے ہم آہنگ کر کے بیان کیا۔ معاصر شاعر اپنے عہد کے المیے کو بیان کرتا ہے۔ اور شعر کے فکری و لسانی ہر دو دائروں سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ معاصر شعرا کا شعور سائنسی عہد کا شعور ہے۔ اور سائنسی عہد ایک مہذب "ایٹمی بستی" میں تبدیل ہو چکا ہے۔ شعراء اپنی تخلیقات میں اپنے عہد کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

معاصر شعراء ماضی و حال کے حوالے سے اپنے دور کے انسان کی صلاحیتوں اور کائنات کے سربستہ رازوں کو دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ عصرِ حاضر کے انسان کی سائیکی اور لاشعور کے گوشوں کو قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم کی نظموں میں "زید" کا کردار جبر و استبداد کے خلاف ایک مستقل ردِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ زید کا کردار کہیں اس خوف کی تجسیم دکھائی دیتا ہے جو شاعر کے

اپنے ماحول پر مسلط ہے اور کہیں یہ کردار اس جذبہ پیکار کی آواز بن جاتا ہے جو شاعر کے بطن میں جنم لیتا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم کی نظموں میں یہ کردار اکثر مکالمہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ "زید" کے کردار کے متعلق لکھتے ہیں:

"زید اور میں خواب دیکھتے ہیں۔ زید وہ فردِ اوّل یا عنصری انسان ہے جس کی بنیاد پر میں نے اپنے معاشرتی شخصیت کی تعمیر کی ہے۔ ہم دونوں جبر کے شاہی قلعے کی زندانی سرد سلوں پر سوتے ہیں۔ اور دور کے اس شہر کی جانب دیکھتے ہیں جہاں محبت اور آزادی کے مندر کی داسیاں ناچتے ناچتے خود اپنی خوشبو بن جاتی ہیں۔(2)

زید کے کردار سے مکالمے کے ذریعے آفتاب اقبال شمیم اپنے عصر کے آشوب کو بیان کرتے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم ہی کی نظم "زیطہ" میں زیطہ کا کردار تقدیر کے جبر کا استعارہ ہے۔ یہ کردار نجیب محفوظ کے ناول سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کردار کے ذریعے شاعر عالمی طاقتوں کے غریب اقوام کو اپاہج بنانے کی سوچ پر طنز کرتا ہے۔ یہ کردار جراح کا کام کرتا ہے۔ جو معذور افراد کے ٹوٹے ہوئے اعضا ء جوڑتا ہے۔

معاصر شاعر کا دکھ جب حد سے بڑھتا ہے تو وہ اس کے قلم سے گاڑیوں کا شور، ملوں کا دھواں، فائرنگ کی آواز، بم بلاسٹ اور ہر لمحہ کی اذیت کی داستان ہی رقم ہو گی۔ بوسنیا، چیچنیا میں مسلمانوں کی مخدوش حالت، برما میں قتلِ عام اور بربریت، اسلامی ممالک کے خلاف مغربی بلاک کا اتحاد اور اقوامِ متحدہ کا ہر معاملے میں خاموش رہنا یہ وہ مسائل ہیں جو معاصر نظم کا موضوع بنتے ہیں:

شہر بھر میں فائرنگ، زخمی، دھماکے، سائرن
شعلے / دھویں کے آبنوسی دائرے
جلتے تناظر / آگ میں لپٹی کتابیں
اعضاء بریدہ زندگی
سر گشتگی افکار کی، غارت گری الفاظ کی
تازہ لہو تاریخ کے اوراق پر(3)

دہشت گردی نے ایک طرف تہذیبی اور ثقافتی ہر دو اعتبار سے تباہی اور تاراجی کے اسباب پیدا کیے اور دوسری جانب داخلی سطح پر ایک عجیب نفسیاتی بحران کو جنم دیا۔ دہشت و بربریت جب زندگی کے حسن کو مجروح کرنے لگی تو اردو شاعری کی آواز نے اس صورت حال کے خلاف اپنا شعری ردِ عمل ظاہر کیا۔ اردو نظم گو شعرا نے اس فضا کی ہولناکی اور درد و الم کو جس شدت سے محسوس کیا، وہ فزوں تر ہے۔ دہشت گردی کے ماحول میں ان کے رویے اپنے اندر ایک توازن رکھتے ہیں۔ ابتری اور انتشار نے فرد سے اس کا اثباتِ ذات چھین لیا ہے۔ کوئی بھی ادب ہوا میں جنم نہیں لیتا وہ معاشرے کی پیداوار ہوتا ہے۔ شاعر جو دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے وہ بیان کرتا ہے:

اپنی ہر ہر ادا میں خوف لیے / زندگی ایک فرش ہے جس پر

ڈر اٹھائیں تو ہول بجھتا ہے / شاہراہِ حیات کے اوپر
خوف کا تار کول بچھتا ہے / مذہب ایجاد کرتا رہتا ہے
معبد آباد کرتا رہتا ہے / یہ تو اندر کی سنگ ساری ہے
خوف برباد کرتا رہتا ہے
فہم و دانش کے زرد سوداگر / وسوسوں کی کپاس بیچتے ہیں
روح کی مارکیٹ ان کی ہے / جو عقیدے ہراس بیچتے ہیں
پرچہ جاں کے ہر شمارے میں / واہمہ اشتہار دیتا ہے
موت خود مارتی نہیں جتنا / موت کا خوف مار دیتا ہے (4)

ساقی فاروقی کی نظم "کینسر" میں شاعر دورِ حاضر کے اہم مسئلے آلودگی کو خوب صورت انداز میں بیان کرتا ہے۔ ویرونیکا کینسر کے مرض میں مبتلا بستر مرگ پر ہے شاعر اس سے التجا کرتا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں کھولے۔ اور شاعر سے بات کرے۔ شاعر ویرونیکا سے وعدہ کرتا ہے کہ میں ملوں کے کاجل اور بسوں کے ڈیزل سے بدلہ لوں گا۔ ان سے جنگ کروں گا۔ نظم "کمٹ منٹ" کا کردار شائستہ شاعر کو فون کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کسی جنونی خونی کارنے ان سے ان کا اکلوتا بیٹا چھین لیا ہے۔ "بندۂ مومن کا ہاتھ" میں دو کردار ہیں۔ نظم "بدگمانی" میں استفہامیہ انداز ہے۔ مردوں کے اس معاشرے میں ساقی فاروقی عورت پر ظلم سے کسیلا پن محسوس کرتے ہیں۔ نظم "امانت" میں وہ مرد کی طرف سے جنسی خواہش کے جذبے کے بے رحمانہ اور بہیمانہ استعمال کی مذمت کرتے ہیں۔ مشینی دور کے انسان کا المیہ ساقی فاروقی کی اکثر نظموں میں موضوع بنتا ہے۔ نظم "منتقم" میں انسان کی ہار کو طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

افضال احمد سید اپنے عہد، سماج اور زندگی کی نئی قدروں سے واقفیت رکھنے والے شاعر ہیں۔ ان کی نظمیں سماجی حقائق کی روداد پر مبنی ہیں۔ ان نظموں میں مجبور و محکوم انسانوں کی داستان پیش کی گئی ہے۔ افضال احمد سید نے اپنی نظموں میں کرداروں کے ذریعے زندگی کے حقائق کو عیاں کیا ہے مکالمے کی تکنیک ان کی اکثر نظموں میں نظر آتی ہے۔ نظم کے مختلف کردار مختلف انسانی رویوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ کان میں کام کرنے والے مزدوروں پر پابندی ہے کہ وہ کان میں آنے سے پہلے پانی نہیں پیئں گے۔ نظم کا مرکزی کردار اس کوشش میں ہے کہ وہ اپنی تخلیقی کوشش سے ایک ایسا انسان تخلیق کرے جو کان میں کام کرنے کی مشقت سے آزاد ہو۔ اس مقصد کے لیے وہ کان سے مٹی چرا کر ایک پوری انسان کی تخلیق کے خواب دیکھتا ہے۔

سرمد صہبائی ایک ایسے عصر میں زندہ ہیں جہاں عشق اور رومان کا دور گزر چکا ہے اور انسان کی تلاش جاری ہے۔ وہ انسانوں کی تلاش میں ہیں اور انہی سے رشتہ جوڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ لاحاصل کا دکھ، تنہائی، کرب اور اذیت کے پرتو ان کی نظموں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ذات کا کرب ان کی شاعری کا موضوع بنتا ہے۔ وہ علامتی کرداروں کے ذریعے ثقافت، معاشرتی مسائل اور سماجی جبر میں

جکڑے لوگوں کی داستان بیان کرتے ہیں۔وہ ارد گرد کے ماحول سے نظموں کے موضوعات اخذ کرتے ہیں۔ نظم "شہر کے وسط میں بت" میں شاعر شہر کے وسط میں کھڑا ہوا ہے۔ مجبور و مظلوم حالت میں شہر کے لوگ اس کے سامنے بھٹکتے پھرتے ہیں وہ ان کو تکتا چلا جاتا ہے۔ قصّہ بابے بوڑھ والے کی بیٹی کا" میں شاعر نے اہم معاشرتی مسئلے کو ڈرامائی عناصر کے سہارے پیش کیا ہے۔

تبسم کاشمیری نے بھی اس انسان کے کرب اور اذیت کی کہانی کو مختلف کرداروں، تمثالوں اور استعاروں سے پیش کیا ہے۔ نظم " کیپسول لائف" میں شاعر جدید دور کے انسان کے مسائل پیش کرتا ہے۔"چاند کا لہو" میں شاعر نے ماحول کی بربریت کو تمثالوں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ تبسم کاشمیری نے اپنی نظموں میں اپنے عہد کی داستان رقم کی ہے۔وہ ایک حساس ذہن و دل کے مالک ہیں اور معاشرتی و سماجی ناانصافیوں پر کڑھتے ہیں اور اس کرب کو اپنی نظموں میں بیان کرتے ہیں۔انیس ناگی لکھتے ہیں:

> " تبسم کاشمیری کی نظموں میں عہدِ حاضر کی تمثال ایک آزردہ خاطر اور مغلوب انسان کے روپ میں نمایاں ہوتی ہے۔جس کے شیون میں ایک عصر کی کہانی مضمر ہے اور جو تبسم کاشمیری اور اس عہد کے ہر حساس شخص کی سوانح عمری بھی ہے "(5)

"میں وہیل کے پیٹ میں تھا"کا مرکزی کردار دفتری اہلکار ہے۔وہ اپنے ساتھی کو اپنا غم سناتا ہے:

ریستوران کی کڑوی پیالی میں، میں تھا
اور تیزاب سی گرم چائے میں جلتی ہوئی خشک مخلوق
نچڑے ہوئے زنگ آلودہ چہرے / اف مجھے سر درد ہے
تو دوں اسپرین، ریڈیو کل یہی کہہ رہا تھا
بھلے چنگے ہو جایئے، اسپرین کھایئے / تم تو خاموش ہو
تم نہیں جانتے کہ آج میں صاحب کے گھر جاؤں گا
اس کی بچی کو پڑھانے / تم نہیں جانتے۔۔۔اس کی بیگم
مری ہڈیاں چاٹتی ہے۔۔۔۔۔(6)

تبسم کاشمیری کے ہاں شہری زندگی کا حوالہ بنیادی موضوع بن کر سامنے آتا ہے شہر، انڈسٹریل کلچر کی علامت ہے جو رفتہ رفتہ اذیتی کیمپ بنتا جا رہا ہے۔ تبسم کاشمیری سماج کے بوجھل اور بے حیا چہرے کی تصویر کشی کرتے ہیں اور آشوبِ زیست کا بیان سیاسی و سماجی حوالوں کے ساتھ کرتے ہیں۔"نوحے تخت لاہور کے" تبسم کاشمیری کی طویل نظم ہے۔یہ نظم ایک پر آشوب معاشرے کی تصویر ہے۔ انیس ناگی اس نظم کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "شاعر نے ایک عہد کی زندگی کی تمام آوازوں کو اپنی نظم میں سمونے کی کوشش کی ہے۔اس میں فوک لور سے لے کر مشینی عہد کے تموجات کا بیان بھی ہے "(7)

تبسم کاشمیری کی نظمیں نہ صرف اپنے دور کے مسائل کا احاطہ کرتی ہیں بلکہ ان نظموں میں زندگی کے احساسات، خواب، گزری باتیں، مناظر، عزائم اور آرزوؤں کے ساتھ ساتھ امن کی دعائیں اور احتجاج بھی دکھائی اور سنائی دیتا ہے۔ نظم میں انہوں نے خواب اور داستان کی فضابندی کے ذریعے اپنے تجربے میں ابہام کی بجائے ذومعنی علامتوں کے ذریعے ہمارے اور تمدن کے ماضی اور حال کو پیوست کر کے احساس کی ایک نئی سطح تخلیق کی ہے۔(8)

نصیر احمد ناصر معاصر نے زندگی کے کٹیلے نقوش کے ساتھ اسلوب کی تشکیل کی ہے۔ دورِ حاضر میں وہ انسانی روابط میں محبت کے متلاشی ہیں۔ زندگی کے مسائل اور لوازمات ان کی نظموں کے موضوع بنتے ہیں۔ وہ زندگی کے مناظر کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ نصیر احمد ناصر کی نظمیں تیسری دنیا کے مسائل بیان کرتی ہیں۔ ان کی شاعری کی کائنات بہت وسیع ہے۔ علی محمد فرشی نے اپنے عہد کو نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کی تلاش ان کی اکثر نظموں کا موضوع ہے۔ عصرِ حاضر کی مشینی زندگی انسان کی انگلی تھامے اسے دولت کے پیچھے بھگاتی رہتی ہے۔ اور انسان دولت کی ہوس میں رشتوں اور جذبات کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آج کا انسان روحانی خوشی کو ترستا ہے۔ شہروں کی نئی تہذیب و ثقافت نے بناوٹ ء فضا اور بیگانگی کو جنم دیا ہے۔ انسان فطرت سے دور ہو گیا ہے۔ علی محمد فرشی اس المیے کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں اور اپنے شعری تجربے میں اپنی تہذیب و ثقافت اور عصری مسائل کو گوندھ دیتے ہیں۔

شہری زندگی میں متوسط طبقے کے لیے دن بھر کی سخت مشقت کے بعد فرصت کے خوش گوار لمحے خواب بن کر رہ گئے ہیں۔ مادیت پرستی نے انسان کو بے روح بنا دیا ہے۔ ان حالات میں اگر کسی کے دل میں کہیں کسی کی مدد کا جذبہ بیدار ہو بھی جائے تو ضروریاتِ زندگی راہ میں حائل ہوتی ہیں یا خود غرضی انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ انسان وجودی کرب کا شکار ہو جاتا ہے علی محمد فرشی اسی انسان کا المیہ بیان کرتے ہیں۔

معاصر اردو نظم جن فکری و اسلوبی تجربات سے تشکیل پائی ہے اگرچہ وہ زمانی اعتبار سے بہت طویل نہیں لیکن تنوّع ضرور رکھتا ہے۔ معاصر نظم حسی اور ادراکی ہر دو سطح پر ایک نئے قالب میں ڈھل کر اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے۔ اس نظم کی تعمیر میں بہت سے عوامل کے ساتھ ان تخریبی عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو دورِ حاضر میں بڑی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم کا زائیدہ ہیں۔ دورِ حاضر میں میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے جدید تر مواصلاتی نظام نے انسان کی نجی و داخلی زندگی کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور انسان کا انسان سے تعلق میڈیمز کا موہونِ منت ہو کر رہ گیا ہے۔ شاعر معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے۔ معاصر شعرا نے ان تمام مسائل کو شدت سے محسوس کیا اور اپنی نظموں میں ان مسائل کو بیان کیا۔ اس سلسلے میں جہاں شعرا نے نظم کی ہیئت اور اسالیب میں نئے تجربے کیے وہاں روایت کی ڈور بھی تھامے رکھی اور روایت کو برقرار رکھتے ہوئے معاصر شعرا نے فکر و خیال کی ترسیل کے نئے بیانیے بھی تلاشے۔

معاصر نظم میں رفیق سندیلوی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ رفیق سندیلوی کے ہاں قدیم اساطیر، قصص و روایات، اور مذہبی حکایات کو زمانہ حال کے تناظر میں ڈھالتے ہوئے اس عصری شعور کی صورت گری کی گئی ہے جو مابعد جدید عہد کی حسیّت کو ایک علاحدہ

سیاق میں پیش کرتا ہے۔ بقول دانیال طریر:

"رفیق سندیلوی کی بیش تر نظمیں لوک کہانی اور اساطیری فضا میں وقت نا وقت، خواب و حقیقیت، وجود و عدم، مکاں لا مکاں، من و تو، جبر و اختیار، نیز وحدت و کثرت کے معنی تلاش کرتے ہوئے نت نئی تمثالیں گھڑتی اور پیش کرتی چلی جاتی ہیں۔"(9)

رفیق سندیلوی کی نظموں میں اکثر واحد متکلم کا مکالمہ بھی سنائی دیتا ہے۔(10) نظم "مگر مچھ نے مجھے نگلا ہوا" میں شاعر عصری ماحول کی آلودگی پر فریاد کناں ہے۔ نظم "تندور والا، خواب مزدور ہے، عجب پانی ہے، قدیمی کھیل میں اور غار میں بیٹھا شخص" میں عصری مسائل کا بیان ہے۔ نظم "کہیں تم ابد تو نہیں" میں ایسی ہی صورتِ حال ہے۔ نظم کا واحد متکلم اپنی ذات کے منطقے میں چھپے دوسرے کردار سے ہم کلام ہے:

کہو کون ہو تم؟ / ازل سے کھڑے ہو
نگاہوں میں حیرت کے خیمے لگائے
افق کے گھنے پانیوں کی طرف / اپنا چہرہ اٹھائے
کہو کون ہو تم، بتاؤ بتاؤ / کہیں تم طلسمِ سماعت سے نا آشنا تو نہیں
کہیں تم وہ در تو نہیں ہو / جو صدیوں کی دستک سے کھلتا نہیں ہے(11)

ارشد معراج علامات و استعارات کی کی مدد سے عصری حاضر کے مسائل کو خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں۔ دوستوں کے درمیان" کے ابتدائیہ میں تبسم کاشمیری ارشد معراج کی نظموں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان نظموں کے صفحات پر معاشرے کے استحصالی آسیب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جو سوسائٹی کی بد نمائی اور بربادی کا سبب ہیں۔ ان آسیبوں نے معاشرے میں منافقت اور ریاکاری کے کلچر کو فروغ دیا ہے۔۔۔۔۔ یہ نظمیں ایک نئی معروضیت میں جنم لینے والی وجودی کشمکش کی داستانیں بیان کرتی ہیں(12)

ہمارا عہد کیا ہے، درد کی خوانچہ فروشی ہے
زمیں ہے یا کمیں ہے؟ / جنس کے بیوپار کی منڈی
جذبوں کی تجارت کی تماشا گاہ ہے
حرمت کی ارزانی کا اڈہ ہے
گلوبل گاؤں تو نیلام گاہِ وضع داری ہے
یہ چپٹا گیند بس اقدار کی سوداگری کا بوجھ اٹھائے گھومتا ہے
کار پردازانِ استہزا

فضا میں ایٹمی میزائلوں کے ساتھ لفظوں کا تمسخر بھی اڑاتے ہیں

یہاں پر کاروبارِ زندگی اب در حقیقت کاروبارِ زندگی ہے(13)

ضیا الحسن کی نظموں میں خود کلامی اور کردار نگاری کی تکنیک ان کی دس منظومات بعنوان "عبدالکریم نامہ" میں دکھائی دیتی ہے۔ نظموں کا مرکزی کردار "عبدالکریم" معاشرے میں رزق اگاتے اور بھوک نہاتے کسانوں کی علامت ہے۔ نظم کے کرداروں "سید الکریم اور کنیز فاطمہ" کو علامت بنا کر شاعر نے معاشرے کے معتوب کرداروں کو زبان دینے کی کوشش کی ہے۔ روش ندیم کے ہاں تعلیم یافتہ شہری طبقے کے بیدار مغز کردار دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظموں میں مجرد عناصر کی تجسیم کی تکنیک بھی نظر آتی ہے۔

اختر رضا سلیمی کی نظمیں معاصر عہد کی ترجمان ہیں۔ نظم "تجسیم" کا کردار ناوقت کے سمندر کے اسرار کو وقت کے منطقوں کے ذریعے معرض تفہیم میں لانے کی کو جستجو کرتا ہے۔[14] زاہد امروز اکیسویں صدی کی نظم کا اہم نام ہے۔ زاہد امروز کی نظموں میں وجودی کرب کا اظہار ملتا ہے۔ ان کی نظمیں خود کلامی بلکہ داخلی خود کلامی کی تکنیک میں لکھی گئی ہیں۔[15] یہ نظمیں ذاتی واردات کی کہانی بیان کرتی ہیں۔ نظم "اروشی" میں شاعر اروشی سے مخاطب ہے۔ "ردِ عمل کا ردِ عمل" میں شاعر ڈرامائی تکنیک قصّہ اور کردار نگاری سے کام لیتا ہے:

لوگوں نے پہاڑ کے دامن میں / مجھے ایک لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا

فطرت کے تحفظ کے لیے / انہوں نے ندامت کے خنجر سے

اس کے پستان کاٹ کر / اس کی کوکھ میں بھر دیے

اور مجھے گدھے پر بٹھا کر / شہر کی جانب روانہ کر دیا

کل میں نے دو پرندوں کو / آپس میں چونچ رگڑتے دیکھا

فطرت کے تحفظ کے لیے / ندامت کے خنجر سے

میں نے تمام شہر کی گردنیں کاٹ دیں(16)

جاوید انور نے اپنی نظموں میں مابعد جدید عہد میں سانس لیتے کرداروں کو ایک نئے حسی تناظر میں متعارف کرایا ہے۔ ان کی نظم "روبوٹوں کی اس دنیا میں" میں کردار اور امکالمے کی مدد سے جدید طرزِ حیات پر گہرا طنز کیا گیا ہے:

بچے روتے ہیں: ممی، ممی / ممی ممی۔۔۔ سارا دن ممی ممی

مجھ کو اور ضروری کام بھی ہیں اس دنیا میں

(بیوٹی پارلر، فٹنس کلب اور وغیرہ وغیرہ)

شوفر، یہ لو ایک ہزار کا نوٹ ہے ان کو میکڈانلڈ میں لے جاؤ

برگر ورگر لے کر دینا / میں آج بھی دیر سے آؤں گی(17)

جاوید انور کی نظم "بھونک، ایک نوزائیدہ سے خطاب، ایک مصلوب آواز اور بولتا کیوں نہیں اور ریچھ کیوں ناچتا ہے" میں شاعر نے عصری مسائل کو خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ فضا اعظمیٰ عصری حاضر کے دانش ور اور شاعر ہیں۔ عصرِ حاضر میں طویل نظم نگاری کے حوالے سے ان کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان کی شاعری کا کینوس بہت وسیع ہے۔ مذہب و اخلاق سے لے کر ریاست و سیاست تک اور سفر و ہجرت سے خلوت و جلوت تک شاید کوئی منظر ایسا ہو کہ جس نے فضا اعظمی کی شاعری میں اپنی جگہ نہ بنائی ہو۔ "کرسی نامہ پاکستان" ان کی طویل نظم ہے جس میں شاعر نے تخلیقِ پاکستان سے لے کر دورِ حاضر تک کی سماجی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ کا استعاراتی زبان میں تجزیہ پیش کیا ہے۔ نظم میں شاعر نے نصف صدی کا قصہّ بیان کیا ہے۔ نظم "داستانِ بے ضمیری" طنزیہ نظم ہے۔ داستان کا آغاز شاعر نے قابیل سے کیا ہے اور اس کا اختتام دورِ حاضر میں ہوتا ہے۔

معاصر عہد میں پورے ماحول پر صنعتی و مشینی تہذیب کی اجارہ داری ہے۔ عالمی صارفی معاشرے میں فرد بے چارگی کا شکار ہے۔ یوں لگتا ہے ایٹمی توانائی نے انسان سے اس کی باقی تمام توانائیاں چھین لی ہیں۔ معاصر شاعر اس پر آشوب دور میں اپنی ذات کے عرفان کے لیے بھٹک رہا ہے۔ اس شاعر کے ہاں اظہار و بیان کا اپنا الگ اسلوب ہے اور اس کی شاعری کا کینوس وسیع تر ہے۔ جدید عہد کے تمام مسائل کا بیان معاصر اردو نظم نگاروں کے ہاں نظم کا حصہ بنتا ہے اور معاصر شاعر اپنے عہد کی کٹھنائیوں اور مسائل کو نظم میں سموتا ہے۔

حوالہ جات

1. حامدی کاشمیری، ڈاکٹر، مابعد جدید نظم، مشمولہ، ادب کا بدلتا منظر نامہ اور مابعد جدیدیت پر مکالمہ، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰، ص ۲۲۴
2. آفتاب اقبال شمیم، فردنژاد، ثبات پبلی کیشنز اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۸
3. نصیر احمد ناصر، دھند کے اس پار، مشمولہ پانی میں گم خواب، راولپنڈی، تسطیر پبلیشرز، ۲۰۰۲، ص ۱۳۹
4. وحید احمد، خوف نامہ، مشمولہ نظم نامہ، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۲، ص ۵۲-۵۳
5. انیس ناگی، پیش لفظ، تمثال از تبسم کاشمیری، ارسلان پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۵، ص ۱۴
6. تبسم کاشمیری، پرندے، پھول، تالاب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء ص ۲۵
7. انیس ناگی، ڈاکٹر، نیا شعری افق، طبع دوم، جمالیات، لاہور، ۱۹۸۸، ص ۱۵۰
8. انیس ناگی، ڈاکٹر، نیا شعری افق، ص ۱۵۱
9. دانیال طریر، معاصر تھیوری اور تعینِ قدر، مہر در انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۸۸

10. احتشام علی، جدید اردو نظم میں عصری حسیّت، سانجھ پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء ص ۲۲

11. رفیق سندیلوی، غار میں بیٹھا ہوا شخص، کاغذی پیرہن، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۲۵

12. ارشد معراج، دوستوں کے درمیاں، ابتدائیہ، تبسم کاشمیری، راولپنڈی، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ ص ۱۵

13. وحید احمد، جگ آشوب، مشمولہ نظم نامہ، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۲، ص ۸۶

14. اختر رضا سلیمی، خواب دان، سانجھ پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، ص ۲۶

15. زاہد امروز، خودکشی کے موسم میں، پیش لفظ (آفتاب اقبال شمیم) آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۰۹، ص

16. زاہد امروز، خودکشی کے موسم میں، آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۱

17. جاوید انور، بھیڑیے سوئے نہیں، قوسین، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۷۴